ہندوستان کے پہاڑی علاقہ میں
ایک جاپانی راجدھانی

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

یہ ایک استفہامی عنوان ہے، حال ہی میں حدیقۃ الاقالیم نامی ایک فارسی کتاب نظر سے گذری۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد کے ایک مصنف شیخ مرتضیٰ حسین عثمانی بلگرامی کی یہ تصنیف ہے، بظاہر یہ ایک تاریخی کتاب ہے لیکن اور بھی مختلف دلچسپ معلومات کا بیچ بیچ میں مصنف ممدوح تذکرہ کرتے چلے گئے ہیں، سر دست دوسری چیزوں سے بحث نہیں بلکہ "سرکار کمایوں" کا عنوان قائم کرکے مصنف نے "انشارِ قلندر" نامی کتاب سے "کمایوں" اور کمایوں میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں جو راجہ تھا اس کے اور اس کی حکومت کے بعض چشم دید واقعات جو نقل کئے ہیں، ان ہی کو اس وقت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، ممکن ہے کہ مذکورہ بالا عجیب عنوان کا جواب آپ کو اس میں مل جائے۔

"انشارِ قلندر" کے مصنف یار محمد نامی کوئی صاحب ہیں، شیخ بلگرامی نے لکھا ہے کہ

"شیخ یار محمد مصنف انشار قلندر بہ کماؤں رفتہ بود آنچہ در انجا مشاہدہ کرد دراں انشار مرقوم ساخت" (حدیقہ ص ۱۴۳)

کماؤں جانے کا موقعہ شیخ یار محمد کو یوں مل گیا تھا جیسا کہ وہ خود ہی لکھتے ہیں، یہ عبارت انشار قلندر سے نقل کی گئی ہے۔

"در آخر سنہ سوم از جلوس محمد شاہ مطابق سنہ یک ہزار و یک صد و سی ~~۱۱۳۰ھ~~ خط راجہ دیبی چند بنام بہادر ابن راجہ جگت چند باز بہادر مالک کوہستان کمایوں مشتمل بر واقعہ پرسش

وشکوہ عدم تبلیغ تعزیت نامہ بخدمت محمد شاہ بادشاہ فرستاد۔"

جس کا حاصل یہ ہوا کہ کمایوں کا راجہ جس کا نام دیبی چند بازبہادر تھا اس نے محمد شاہ بادشاہ کے حضور میں ایک عریضہ اس مضمون کا گذرانا تھا کہ اس کے باپ جگت چند باز بہادر کا انتقال ہو گیا لیکن آستانۂ شاہی سے پرسہ اور تعزیت کا کوئی سرفراز نامہ وصول نہیں ہوا، گویا راجہ نے اسی شاہانہ بے التفاتی کی شکایت کی تھی، محمد شاہ پر راجہ کے اس خط کا اثر ہوا، اور شیخ محمد یار کے لئے کمایوں پہنچنے کا یہی اثر ذریعہ بن گیا، شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ

بوسیلہ امین الدولہ از درگاہ محمد شاہ بادشاہ گورگانی خلعت وجواہر واسپ ویک زنجیر فیل ونامہ مشتمل بر تسلّی حوالہ بندہ یعنی یار محمد شدتا ایلچی شدہ برساند۔"

گویا مغل دربار کے سفیر بن کر شیخ یار محمد راجہ کمایوں کی راجدھانی کی طرف روانہ ہوئے واپس لوٹ کر اپنے سفر کے مختصر حالات کو انھوں نے انشاء قلندریں قلم بند کر دیا تھا۔ اور اب آپ کے سامنے اسی سفر وسفارت کے مشاہدات وواقعات پیش ہوں گے۔ دلی سے کمایوں کس راستے سے وہ پہنچے درمیان میں جن اہم مقامات سے گذرے ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"چنانچہ بندہ از شاہ جہاں آباد کوچیدہ عبور جمن نمودہ بہ بار بہ آبادی سادات رسیدہ در پھلاؤدہ رسیدم"

آگے لکھا ہے کہ پھلاؤدہ سے قصبہ اولان پہنچے۔ قصبہ اولان کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"ملوکہ شاہ مرتضیٰ ست"

اولان سے بسمت شمال سفر کرتے ہوئے "بعد شش روز بہ کاشی پور کہ صوبہ است از توابع کمایوں" پہنچے۔ کاشی پور گویا سرحدی علاقہ ریاست کمایوں کا تھا یہاں پہنچنے کے بعد بیان کیا ہے کہ

"از کاشی پور راہ اسپ وفیل نیست"

پھر آگے کا سفر کن سواریوں پر انھوں نے اور ان کے رفقاء نے پورا کیا لکھتے ہیں کہ

دراندم جھپال[۵] وڈانگی از سرکار راجہ رسیدہ بود و من بسواری جھپال و رفقار بہ
ڈانگیہا سوار شدہ برہبری[۶] کسان راجہ روانہ شدیم"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں پر چڑھنے کی یہ سواریاں اسی زمانہ سے ہندوستان میں مروج تھیں۔ اس کے بعد ایک دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ دربار شاہی سے گھوڑے ہاتھی کا جو سوغات لئے جارہے تھے ان پر راجہ کے آدمیوں نے قبضہ کرلیا اور

"اوراہے کہ ہندوستانیاں را بآں راہ واقف نمی کنند بردند"

ہندوستانیوں سے مراد میدانی علاقے کے باشندے ہیں یعنی مغل سلطنت کے لوگوں کو اس پوشیدہ راستے سے پہاڑ والے واقف ہونے نہ دیتے تھے۔ بہرحال شیخ یار محمد اور ان کے رفقار کی ان ہی سواریوں پر لدے ہوئے، پہاڑ پر چڑھائی شروع ہوئی لکھا ہے کہ

"از صعوبت وسختی راہ، ورنج صعود و نزول گھاٹی (اتار چڑھاؤ کی تکلیف) وسعتِ جبال
(پہاڑ کا پھیلاؤ) ودامنگیر یہائے خارستان (خاردار جھاڑیوں کا (الجھاؤ) بیاباں
وکوہ دفترے باید کہ برتابد"

بہرحال یوں ہی ان لوگوں کا "درعرصہ چہار روز کماؤں منزل گاہ شد"

اتفاق کی بات کہ جس دن ان لوگوں کی آمد کمایوں میں ہوئی، راجہ شہر میں موجود نہ تھا، بلکہ ایک باغ جس کے متعلق شیخ یار محمد نے لکھا ہے کہ کمایوں سے چند میل دور ہے سیر وتفریح کے لئے گیا ہوا تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ کے اسلاف نے دلی کے شالامار باغ کے نمونہ پر اس باغ کو مرتب کیا تھا۔ دربار شاہی کی سفارت کے پہنچنے کی خبر راجہ کو باغ ہی میں دی گئی، لکھا ہے کہ اسی وقت حکم ہوا کہ ان لوگوں کو بھی باغ ہی میں بلالیا جائے۔ راجہ کے آدمیوں نے آکر پیام سنایا کہ:۔

---

[۵] اصل کتاب میں "جھپان" کا لفظ ہے یعنی بجائے لام کے آخر میں نون ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے "لام" ہی کے ساتھ اس کا تلفظ صحیح ہے ممکن ہے کہ پہاڑی علاقوں میں "جھپان" ہی کہتے ہوں۔ ڈانگی غالباً وہی چیز ہے جسے آج کل ڈانڈی کہتے ہیں، بطور جنازہ کے اسے اٹھاتے ہیں چھت اس میں نہیں ہوتی اور جھپال چھت دار ہوتی ہے۔ [۶] راجہ کے آدمی۔

"علی الصباح درانجا رفتن باشد"

صبح ہوتے ہوئے، یہ لوگ باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ یار محمد کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کے آنے کی تقریب سے باغ کی آرائش وزیبائش میں راجہ نے اپنی آخری طاقت خرچ کردی تھی، انھوں نے تفصیل سے ان باتوں کو لکھا ہے۔ بہرحال اس کے بعد وزیر و بخشی و میرسامان، ومنشی ومصاحبان وجمعداران را بہ لباس فاخرہ، سب کے سب شاہی دربار کے سفیر کو لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب شیخ یار محمد کے پاس پہنچے تو

"زناردارے پیش آمدہ گفت کہ مہاراجہ ایں ہمہ ارکانِ دولت را برائے استقبال شما فرستادہ وخود راہ شما می بیند"

شیخ یار محمد اپنے رفقاء اور راجہ کے ارکانِ دولت کے ساتھ باغ کی طرف روانہ ہوئے، جب باغ کے دروازے پر پہنچے تو شیخ صاحب نے یہ عجیب تماشا دیکھا کہ

"ہزاراں روہیلہ (سرحدی پٹھان) شمشیر علم کردہ رقص وسرود می کردند"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ریاست میں مسلمان روہیلوں کو در خود اسی زمانے میں حاصل ہو چکا تھا جیسا کہ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس ریاست پر ان ہی روہیلوں نے علی محمد خاں نواب آنولہ کی سرکردگی میں قبضہ کرلیا تھا۔ آنولہ ہی کی ریاست کی چھوٹی سی یادگار ریاست رامپور رہ گئی ہے۔ شیخ نے اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے دیکھا کہ باغ کی فصیل کی دیوار بادلہ کے تھانوں سے ڈھنکی ہوئی ہے، اور دروازے پر تاش وبادلہ کے متعدد پردے سے لٹکے ہوئے ہیں۔ نیز

"از دروازۂ باغ تا دیوان خانہ تمام قالین ہائے ولائتی تازہ ونو درخشان بالکل از سرتا پا تاش وبادلہ گرفتہ"

جب راجہ کے تخت کے سامنے اسی فرش سے گذرتے ہوئے لوگ پہنچے تو شیخ صاحب کو یہ دیکھکر حیرت ہوگئی، ایک عجیب منظر ان کے سامنے تھا، فارسی کے ذرا مغلق الفاظ میں اس تماشے کو انھوں نے ادا کیا ہے ترجمہ یہ ہے۔

" دیکھا کہ راجہ کے تخت کے سامنے جو حوض تھا اس کے دونوں کناروں پر دو درخت نصب تھے، قد میں آم کے نوخیز درخت جو پھل چکا ہو، برابر ہوں گے، یہ دونوں درخت مصنوعی تھے یعنی ایک تو ان میں سے طلا (سونے) کا بنا ہوا تھا اور دوسرا چاندی کا تھا سبز رنگ کا میناکاری کا کام ان دونوں درختوں کے پتوں پر کیا گیا تھا اور ان درختوں کی ہر شاخ پر سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے مصنوعی پرندے بنا بنا کر بٹھا دیئے گئے تھے ان میں طوطی شارک (مینا) فاختہ، کبوتر، کوے، چیل بلبل وغیرہ سبھی طرح کے طیور تھے (دلچسپ تماشایہ تھا) کہ ہر چڑیا کی چونچ میں بتیاں رکھدی گئی تھیں، جنھیں روشن کر دیا گیا تھا اور ہر ایک کی روشنی کا رنگ جدا جدا تھا (بظاہر مختلف رنگ کے شیشوں سے شاید ان کی چونچیں بنائی گئی تھیں)"۔

شیخ یار محمد نے راجہ کے دربار کا نقشہ بھی ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

وسرخ پوشاں وزرد پوشاں و پیادہائے سپاہ دیاں واراں وخاص برداراں ودیگر ہمہ تجمل وحشم بادشاہاں بجائے خود ایستادہ"

اس کے بعد ارباب نشاط وطرب کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ "متصدیاں پیش پیش من می رفتند واز سلام گاہ مجرا کردند" جیسا کہ مغل دربار کا قاعدہ تھا چوبدار شاہی حضور میں ہر پیش ہونے والے کا نام لیکر عرض کرتا۔ اجازت کے بعد مجرا کر کے آنے والا اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا تھا شیخ یار محمد لکھتے ہیں کہ سلام گاہ میں پہنچکر جب میں نے سلام کیا تو چوبدار نے عرض کیا

" وکیل بادشاہِ ہند مہاراج سلامت "

راجہ نے سنتے ہی ہاتھ اٹھایا اور آگے آنے کا اشارہ کیا۔ شیخ صاحب ذرا دور کھڑے تھے لکھتے ہیں کہ راجہ نے کہا " اے شاہے پیش تر بیائید" یہ " شاہے" کا لفظ " صاحب" کی خرابی تھی، راجہ اتنی فارسی جانتا تھا کہ " شاہے" کے ساتھ " پیشتر بیائید" ہی بول سکا۔ اس کے بعد معانقہ کے لئے راجہ نے " بغل راراست کرد" لیکن شیخ صاحب مغلی دربار کے قاعدے کے مطابق قدم بوسی کے لئے راجہ کی طرف دوڑے۔

مگر لکھتے ہیں کہ "ہر دو دست بن گرفتہ ہم آغوش شد"

صاحب سلامت کی رسمی باتوں کے بعد ایک اشرفی نذر پیش کرتے ہوئے محمد شاہ بادشاہ کے خریطہ کو راجہ صاحب کے سامنے شیخ صاحب نے پیش کیا۔ راجہ نے "رومال دان" میں شاہی شقہ کو رکھدیا۔ اور "رسمی تسلیم و تعظیم او بجا اورد" لکھتے ہیں کہ

"انگاہ برائے نشستن بر سنگھاسن فرمود"

یہ انتہائی اعزاز تھا جو کسی علاقہ کا حکمراں کسی کو اس زمانے میں دے سکتا تھا، شیخ صاحب راجہ کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئے۔ لکھتے ہیں کہ خیر و عافیت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد فارسی میں راجہ نے یہ گفتگو شروع کی،

"در راہ تشدیع بسیار کشید ند"

"تشدیع" تصدیع کی خرابی تھی، شیخ صاحب بھی درباری آدمی تھے برجستہ جواب دیا کہ

"چنیں دولت بے محنت درکنار نمی آید"

اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے حالات راجہ پوچھنے لگا اور پھر اسی شکایت کو دہرانے لگا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا لیکن حضور بادشاہ سلامت نے فقیر کی خبر بھی نہ لی۔ شیخ نے سفارت کا حق اس وقت خوب ادا کیا، بولے کہ راجہ صاحب قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی گھر میں غمی پیش آتی ہے تو برادری کے تمام لوگوں کو خبر دی جاتی ہے عوام و خواص ہر ایک کا یہی دستور ہے۔ لیکن آپ ہی کی طرف سے تو کوتاہی ہوئی کہ حضور شاہی میں اس کی باضابطہ اطلاع آپنے نہیں بھیجی۔ یہ سن کر راجہ اپنے قصور کا معترف ہوا اور بولا

"فی الواقعہ تقشیر شد"

یہ تقشیر تقصیر کی خرابی تھی۔ شیخ صاحب اور راجہ میں اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں، وہ ان کے برمحل بے ساختہ جوابوں کو سن سن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ آخر میں اپنے مصاحبوں کو خطاب کر کے اس نے کہا

"مردم ہندوستاں چناں قابل می باشند اما تا ایں مدت از وکلائے بادشاہ چنیں کسے نیامدہ است"

راجہ نے اس کے بعد شیخ صاحب سے کہا کہ ہمارے راج کا دستور ہے کہ ہندوستان سے جو آدمی آتا ہے اسے خلعت دی جاتی ہے لیکن آپ ایسے دربار سے آئے ہیں کہ خلعت میں آپ کو پہناؤں، یہ

گستاخی ہوگی، شیخ صاحب نے فوراً جواب دیا۔

"شما کم از بادشاہ نیستند خلعتِ شما موجب فخر است"

راجہ اس جواب سے بہت مسرور ہوا۔ اسی وقت حکم دیا کہ شیخ صاحب کو توشک خانہ لے جاؤ اور خلعتِ خاصہ پہنا کر واپس لاؤ، خلعت پہن کر راجہ کا شیخ صاحب نے پھر شکریہ کا سلام کیا، مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ اسی سلسلہ میں جے پور اور جودھ پور کے کچھواہ اور راٹھور راجگان کا ذکر چھڑا، راجہ نے ان لوگوں کے حالات دریافت کئے اور پوچھا کہ

"ایں راجہا شان و شوکت بسیار داشتہ باشند"

شیخ صاحب نے زمانہ شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ

"گفتم ہر چند جاہ و حشم بسیار دارند لیک بشما نہ رسند"

وجہ اس کی یہ بیان کی کہ

"اوشان نوکر بادشاہ اند و شما ہمسر"

کہتے ہیں کہ اس فقرے کو سن کر راجہ پھڑک اٹھا "بسیار بسیار فرحناک گردید"

شیخ صاحب نے آخر میں یہ بھی کہا کہ "راجہ کی عمر اس وقت کل چودہ سال کی تھی۔"

"بحسن و جمال بے ہمتا بود"

یہ اتفاق کی بات تھی کہ راجہ سے شیخ صاحب کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک محل سے خبر آئی کہ "راجہ صاحب کا کنور پیدا ہوا" شیخ صاحب نے پھر نذر کی ایک اشرفی پیش کی بولا کہ یہ کس بات کی؟ میں نے عرض کیا "کنور کی پیدائش کی" قبول کر کے پھر توشک خانہ دوبارہ مجھے بھجوایا، حکم دیا کہ دوسرا خلعت خاص کنور کی طرف سے پہنایا جائے۔ شیخ بے چارے پر پہلے ہی خلعت کا بوجھ کیا کم تھا۔ اب دوسرے نے تو ناطقہ ہی ان کا تنگ کر دیا، جان پر بن آئی۔ لیکن راجہ ان سے ہندوستان کے متعلق طرح طرح کے سوالات کرتا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ مارے پیاس کے میری بری گت تھی، آخر نہ رہا گیا پانی مانگا، نقرئی پیالہ میں پانی آیا، پینے کے بعد میں نے دیکھا کہ چاندی کے اس کٹورے کو راجہ کے آدمی نے میرے خدمتگار کے سپرد کر دیا

پھر راجہ نے پاندان جس میں پان لگے ہوئے تھے شیخ صاحب کی طرف بڑھایا۔ دو بیڑے انھوں نے اٹھائے راجہ نے ان کے خدمت گار کو اشارہ کیا کہ اس پاندان کو بھی اٹھا لو، بڑی مشکل سے یہ جلسہ ختم ہوا، یہ کہتے ہوئے کہ " فردا باز ملاقات خواہد شد "

راجہ نے شیخ صاحب کو رخصت کیا۔ لکھتے ہیں کہ قیام گاہ تک ہم لوگ ابھی پہنچے بھی نہ تھے کہ شمع و مشعل لئے ہوئے دیکھا کہ لوگ میری قیام گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مہاراج نے خاصہ بھیجا ہے، چودہ خوان تھے جن میں چاندی کے کٹورے اور چاندی کی تھالیوں میں

" پوری و کچوری و دیگر اغذیہ یکے از دیگرے شیریں تر و لذیذ تر دراں آوردہ بودند "

حسب دستور یہ سارے برتن بھی شیخ صاحب کے آدمیوں کے حوالہ کر دئے گئے، شیخ صاحب نے بطور انعام کے خاصہ لانے والوں کو پندرہ روپے دینے کا حکم دیا۔ لیکن ہر ایک کانوں پر ہاتھ رکھنے لگا اور یہ کہنے لگا،

" حکم نیست اگر بگیرم کشتہ شوم و زن و بچہ ہمہ بغارت روند "

تھوڑی دیر کے بعد راجہ صاحب کے منشی آئے جن کے ہاتھ میں پروانہ تھا، لکھا تھا کہ دو صد روپیہ نقد بہ ضیافت شیخ صاحب کے لئے اور اکاون روپیہ یومیہ ہمراہیوں کے لئے مقرر ہوا ہے لکھا ہے کہ باوجود اس کے

" چار مرتبہ ہر روز پکوان نو بہ نو و شیرنی ہائے گوناگوں و فواکہ خشک و تر و نقد بقدر روز اول می آمد "

شیخ صاحب انیس دن کمایوں میں رہے اور ہر روز یہی برتاؤ ان کے ساتھ مسلسل راجہ کی طرف سے ہوتا رہا۔

خیر یہ تو عام حالات تھے جن امور کا ذکر دراصل مقصود ہے وہ اب شروع ہوتے ہیں، پہلی خصوصیت تو وہی تھی کہ کسی طرح راجہ کے آدمیوں کو انعام و اکرام شیخ صاحب نے دینا چاہا راضی نہ ہوئے طرفہ تماشا یہ تھا کہ کھانے کی اتنی مقدار کو بھلا کون کھا سکتا تھا۔ شیخ صاحب کے رفقا نے چاہا کہ فقراء و غرباء میں بچے ہوئے کھانے کو تقسیم کر دیں۔ مگر یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ

" گدایاں را طلبیدم احدے نمی آمد "

واللہ اعلم بالصواب کیوں نہیں آتے تھے، بہرحال شیخ صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

"مستغنے از مکنہ انجار از ترس راجہ مجال نہ بود کہ بیاید"

اس سے بھی صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کے ڈر سے لوگ نہ آتے تھے لیکن راجہ کا حکم کیا تھا؟ کیا بھیک لینے کی کسی سے کسی کو اجازت نہ تھی، یا خاص کر کے شاہی دربار کی سفارت والوں سے لینے کی ممانعت کی گئی تھی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے سخت کوشش کی کہ راجہ کے ملازموں یا خدمت گاروں، چوبداروں سے کوئی میرے پاس آئے۔ لیکن ہر ایک دور دور رہتا تھا قریب بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ سب سے زیادہ اس معاملہ کی وجہ سے حجام کی پریشانی ان لوگوں کو زیادہ ہوئی۔ آخر خود راجہ سے شیخ صاحب کو کہنا پڑا، تب ایک "حجام" خاص راجہ کے حکم سے آیا۔ اس سلسلہ میں انتہا یہ ہے کہ ایک دفعہ اربابِ نشاط کو راجہ نے شیخ صاحب اور ان کے رفقا کی تفریح طبع کے لئے بھیجا۔ رات بھر گانا بجانا ہوتا رہا۔ صبح کو رخصت ہوتے ہوئے کچھ رخصتانہ پیش کیا گیا تو "انگشت بدنداں گذاشتند و سر برتافتند" بہرحال راجہ کے اس بے نظیر نظم و ضبط کا نتیجہ یہ تھا کہ کھانا جو کچھ بچتا تھا اُسے روزانہ ندی میں بہادیتے تھے۔

اسی سلسلہ میں شیخ یار محمد نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس علاقے میں شکار کرنے والے پرندے باز، بحری وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔ میں نے ان کی خریداری کا اعلان کیا۔ لوگ چاروں طرف سے ان پرندوں کو لے کر ٹوٹ پڑے لیکن دام حد سے زیادہ گراں کہتے تھے۔ شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ لاکھ "سوگند گنگا و مہادیو، ورام و کشن و اقساطِ مغلظہ کہ ہندواں بملاحظہ آں راست می گویند" ان لوگوں کو دیتا تھا۔ لیکن اپنے من مانگے داموں میں ایک پیسے کی تخفیف پر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے۔ حیران تھے کہ اتنے کڑے داموں پر ان چیزوں کو کیسے لوں، آخر ان پر ایک دن راز کھلا راجہ نے جس حجام کو بھیجدیا تھا۔ اسی نے شیخ صاحب کو مطلع کیا کہ

"ساکنانِ ایں دیار رام و لچھمن و مہادیو وغیرہ را نمی دانند"

اور یہی نہیں کہ ہندوؤں کی قابلِ احترام ہستیوں کا کوئی اثر ان کے قلوب پر نہیں ہے بلکہ حجام نے یہ بھی کہا کہ

"دھرم وادھرم در حساب ایشاں واحد ست یعنی برابر است۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ اس علاقے کے باشندوں کا کوئی خاص مذہب بھی نہ تھا مگر جس چیز کو بطور مذہب کے وہ مانتے تھے حجام نے بتایا کہ

"ہر یکے پرتمان راجہ را پرستش می نمائد"

پرتمان کی تفسیر یہ کی گئی کہ اس سے مراد راجہ کی تصویر ہے۔ یعنی ان کا سارا دھرم دین و مذہب بس راجہ اور راجہ کی تصویر ہے۔ حجام ہی نے کہا کہ

"جو بڑے لوگ ہیں وہ تو طلاء اور سونے سے راجہ کی مورت بنا کر پوجتے ہیں اور جو اُن سے کم رتبہ والے ہیں وہ چاندی کی، عوام تانبے، پیتل لوہے وغیرہ سے راجہ کی مورتی بنوا کر پوجتے ہیں"۔

حجام نے کہا کہ آپ اگر چاہتے ہیں کہ صحیح قیمت ان چیزوں کی ان سے دریافت کریں تو اس کی ایک ہی تدبیر ہے کہ

"شما ہمیں بگوئید کہ قسم راجہ بشماست راست بگوئید"

اس نے کہا کہ اس کے بعد جھوٹ بولنا ان کے لئے ناممکن ہو جائے گا صحیح قیمت آپ کو معلوم ہو جائیگی شیخ یار محمد کا بیان ہے کہ دوسرے دن حسب دستور ان شکاری پرندوں کو لیکر لوگ ہمارے یہاں پہنچے، آج میں نے ان سے جو حسب ہدایتِ حجام راجہ کی قسم دیکر قیمت پوچھنا شروع کی، لکھتے ہیں کہ میرا یہ کہنا تھا کہ

"دست برہم می سوزند و می گفتند کہ کدام بدخواہِ ما ایں معنی بشما ظاہر کرد"

اور اس کے بعد وہی چیز جس کی قیمت پہلے بارہ روپے کہتے تھے اب دو روپیہ کہنے لگے اور اسی طرح غیر معمولی طور پر ہر چیز کے اصلی دام انھوں نے مجھ سے لئے۔

مضمون کا جو عنوان میں نے مقرر کیا ہے۔ اس کا تعلق درحقیقت "انشار قلندر" کے اسی جزو سے ہے۔ "بادشاہ پرستی" کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ جاپانیوں کا مذہب تھا، یا ہے، لیکن دو صدی پہلے کا

ایک ہندی مورخ یہ شہادت دے رہا ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں کی ایک ریاست ہی ہندوستان کے کوہستانی علاقہ میں قائم تھی۔

اس کے سوا شیخ یار محمد نے جو یہ لکھا ہے کہ لڑکی یا لڑکے کا رشتہ جب کسی خاندان سے آتا ہے تو دستور اس ملک کا یہ ہے کہ خاندانی شرافت کے معیار کو جانچنے کے لئے اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ

زنانش چند بار در قحبہ خانہ نشستہ اند	اس خاندان کی عورتیں قحبہ خانے میں کتنی دفعہ
اگر معلوم شود کہ چہار مرتبہ نشستہ	بیٹھی ہیں، اگر معلوم ہوتا ہے کہ چار دفعہ بیٹھ
معتبر و کلاں ترا اعتبار می نمایند"	چکی ہیں تو اسی خاندان کو معتبر خاندان اور
(حدیقہ ص ۱۴۴)	بڑا خاندان قرار دیا جاتا ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ سرکاری محاصل کے وصول کرنے والے عہدہ داروں پر جب حکومت کا بقایا واجب الوصول رہ جاتا ہے یا خورد برد کسی عہدہ دار کا ثابت ہوتا تھا تو عہدے سے معزول ہونے کے بعد قاعدہ اس ملک کا شیخ صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ اس خائن عہدہ دار کی گھر کی عورتیں مثلاً بیوی، لڑکی، بہن کو قحبہ خانوں میں رکھکر سرکاری مطالبات کی یا بجائی کی جاتی ہے جب تک سرکاری مطالبہ ادا نہ ہولے عورت پیشہ میں مشغول رہتی ہے۔ مطالبہ کی تکمیل کے بعد اسی عہدہ دار کو پھر اپنی قدیم نوکری واپس کردی جاتی ہے۔ شیخ یار محمد نے لکھا ہے کہ

"ہمیں قسم بعد سہ سال معزولی و منصوبی معمول آں ملک است"

گویا ہر تیسرے سال اس قسم کے معزول عہدہ دار اپنی ملازمت پر پھر مقرر کر دیئے جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ چار دفعہ قحبہ خانے میں جن کی عورتیں رہ چکی ہونگی، اس خاندان کے متعلق سمجھا جاتا ہوگا کہ خوب دولت اس نے جمع کرلی ہوگی۔ شیخ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسی عورتیں جو ایک دفعہ یا دو دفعہ قحبہ خانوں میں بیٹھی ہوں۔

"آنرا شائستہ اعتبار نمی دانند"

سرسید راس مسعود مرحوم نے جاپان کا سفر کیا تھا وہ بھی اس ملک میں عورتوں کی بلندی کا معیار اسی امر کو بتاتے تھے

علاوہ اس کے شیخ یار محمد نے اس ملک کی عورتوں کی ہیئت کذائی جو بیان کی ہے یعنی لکھا ہے کہ

"آں ہا خوش بہ نظر در آمدند، لیک رنگ زرد و پست تنی و لے شہر اند"

اب آپ ہی اندازہ کیجئے کہ اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ذہن اس سوال کی طرف کیوں نہ منتقل ہو جائے جسے میں نے اس مضمون کا عنوان بنایا ہے، جاپان کی "شاہ پرستی" اور جاپانی خواتین کی خصوصیات سے جو واقف ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ اس باب میں وہ ہمارا ساتھ دیں گے، کمایوں کی یہ ریاست چونکہ روہیلوں کے ہاتھ ختم ہو چکی ہے اس لئے اب واقعات کا سراغ ان کتابوں سے شاید لگایا جا سکتا ہے جو ہمالیہ کی قدیم ریاستوں کی تاریخ میں لکھی گئی ہوں۔ جن زبانوں میں یہ کتابیں ہیں میری رسائی چونکہ ان تک نہیں ہے اس لئے ان حضرات سے جو اس باب میں اپنے پاس کچھ معلومات رکھتے ہوں متوقع ہوں کہ "برہان" ہی میں ان معلومات کا اظہار کریں گے۔

ترجمان القرآن

جلد دوم

یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی عدیم المثال تفسیر قرآن ہے جسے عہدِ حاضر کی سب سے بہتر تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ یہ جلد اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی جلد سے بھی زیادہ اہم اور مہتم بالشان ہے۔ اس کے حواشی نہایت مفصل، دلپذیر و دلکش اور بہت سے اہم اجتماعی اور اقتصادی مسائل پر مشتمل ہیں، سورہ انفال، توبہ، یوسف، کہف، مریم، وغیرہ کی تفسیر اسی حصہ میں ہے اس لئے کتاب علمی اور تاریخی خصوصیات کے اعتبار سے بھی بے مثل ہو گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام ایسے باکمال عالم کی ۳۰ سال کی عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک ہے ہدیہ بلا جلد آٹھ روپے آٹھ آنے مجلد خوش نما ۹ روپے

منیجر مکتبہ برہان دہلی قرول باغ